ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY

Name:

Registration No.:

Course Code: 2900

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلومِ اسلامیہ ـــ شعبہ حدیث وعلوم حدیث

کورس: تعارفِ حدیث (2900)

سٹڈی: بی ایس علومِ اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026ء

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ نمبر: 6تا9)

کل نمبر: 100 ـــ کامیابی کے نمبر: 50

Reference &For Study — ASSIGNMENT GUIDE SOLVED

نوٹ: یہ حل شدہ گائیڈ صرف مطالعہ اور رہنمائی کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ وہ نصابی کتاب کے متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کر کے مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور امتحانی مشق اپنے الفاظ اور اپنے اندازِ تحریر میں لکھیں، کیونکہ ہو بہو نقل کی گئی مشق قواعد کے مطابق قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ اس گائیڈ کے جوابات علومِ حدیث کے عمومی اور مسلمہ علمی مباحث کی روشنی میں مرتب کیے گئے ہیں؛ سوال نمبر 4 میں دی گئی تین احادیث مسند احمد میں موجود مشہور احادیث میں سے منتخب کی گئی ہیں، تاہم احادیث کے نمبر ایڈیشن کے اختلاف سے بدل جاتے ہیں، اس لیے طالب علم اپنے نصابی ایڈیشن اور نصابی کتاب سے نمبر و حوالہ کی تصدیق ضرور کر لے۔ دینی احکام کے عملی اطلاق میں اہلِ علم سے رجوع کیا جائے۔

طریقہ کار: ہر جواب تعارف، ذیلی عنوانات کے تحت مفصل بحث اور اختتام پر مشتمل ہے۔ جہاں سوال کا تقاضا ہوا وہاں جدول اور خاکہ بھی دیا گیا ہے تاکہ طالب علم نکتے کو منظم انداز میں یاد کر سکے اور مشق میں بہتر ترتیب کے ساتھ لکھ سکے۔

کورس کا تعارف اور اس مشق کا جائزہ

امتحانی مشق نمبر 2 یونٹ 6 تا 9 پر مشتمل ہے اور اس کا محور حدیث کے عملی و اصطلاحی پہلو ہیں: تحمّلِ حدیث کے طریقے، صحیح حدیث کی شرائط، صحیح بخاری کی کتاب العلم کی روشنی میں علم کے آداب و فضیلت، مسند احمد سے تین احادیث بمع ترجمہ، اور ریاض الصالحین کی روایات کی روشنی میں سحری و افطاری کے فضائل۔ ان سوالات میں پہلے دو خالص اصطلاحی، تیسرا کتاب العلم کے مطالعے سے متعلق، چوتھا کی مخصوص کتاب سے عملی استخراج کی تربیت اور پانچواں فضائل و آداب کی بحث ہے۔ اس گائیڈ میں ہر جواب مفصل و منظم انداز میں پیش کیا گیا ہے، اور مخصوص کتابوں سے متعلق سوالات میں ایڈیشن و حوالے کی تصدیق کی تنبیہ بھی شامل کر دی گئی ہے تاکہ طالب علم علمی دیانت کے ساتھ اپنا کام مکمل کرے۔

سوال نمبر 1 (20 نمبر)

سوال: تحمّلِ حدیث پر نوٹ لکھیں۔

تعارف

تحمّلِ حدیث علومِ حدیث کی ان بنیادی اصطلاحات میں سے ہے جن کے بغیر روایت کا نظام سمجھ میں نہیں آتا۔ تحمّل کے لغوی معنی ہیں بوجھ اٹھانا اور اپنے ذمے لینا، اور محدثین کی اصطلاح میں تحمّلِ حدیث سے مراد ہے استاد سے حدیث کو حاصل کرنے اور اسے آگے بیان کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لینا۔ اس کے مقابل دوسری اصطلاح ادائے حدیث ہے، یعنی جو علم ذمے لیا تھا اسے دوسروں تک دیانت سے پہنچانا۔ گویا تحمّل اور ادا ایک ہی عمل کے دو رخ ہیں: پہلے مرحلے میں شاگرد سنتا، پڑھتا یا اجازت حاصل کرتا ہے اور دوسرے مرحلے میں وہی شخص دوسروں کو سناتا اور پڑھاتا ہے۔ اس نوٹ میں تحمّل کی اہلیت و شرائط، اس کے آٹھ مشہور طریقے، ہر طریقے کی صورت و درجہ، اور اس بحث کی علمی اہمیت بیان کی جائے گی۔

تحمل کی اہلیت اور بنیادی شرائط

تحملِ حدیث کے لیے محدثین نے چند شرائط بیان کی ہیں تاکہ علم درست ہاتھوں میں منتقل ہو۔ پہلی شرط تمیز اور سمجھ ہے؛ یعنی حدیث حاصل کرنے والا بات کو سمجھنے اور یاد رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اسی لیے کم سن بچے کے تحمل کے بارے میں اہلِ علم نے بحث کی ہے اور راجح رائے یہ ہے کہ جب بچہ بات سمجھنے اور جواب دینے کے قابل ہو جائے تو اس کی سماعت درست ہو سکتی ہے، اور خود صحابہ و تابعین کی اولاد کے بارے میں ایسی مثالیں ملتی ہیں۔ دوسری شرط ضبط ہے، خواہ وہ ضبطِ صدر یعنی حافظے کی مضبوطی ہو یا ضبطِ کتاب یعنی لکھی ہوئی چیز کی حفاظت؛ دونوں میں سے کوئی ایک صورت قابلِ اعتماد ہونی چاہیے۔ تیسری شرط دیانت و امانت ہے؛ تحمل کرنے والا جانتا ہو کہ یہ امانت ہے جسے اسی طرح آگے پہنچانا ہے۔ ادا یعنی روایت کرنے کے مرحلے کے لیے شرائط نسبتاً سخت ہیں، کیونکہ اس مرحلے میں غلطی دوسروں تک منتقل ہوتی ہے؛ اسی لیے محدثین نے بیان کیا ہے کہ ادا کے وقت راوی کا عاقل، بالغ، مسلمان اور عادل ہونا زیادہ اہمیت رکھتا ہے، جبکہ تحمل کی عمر میں نسبتاً وسعت رکھی گئی ہے تاکہ علم حاصل کرنے کا دروازہ جلد کھل سکے۔ اس توازن سے اندازہ ہوتا ہے کہ محدثین علم کے پھیلاؤ اور اس کی درستگی، دونوں کا یکساں خیال رکھتے تھے۔

تحمل کے طریقے (1): سماع اور قراءت

تحمل کے طریقوں میں سب سے اعلیٰ اور سب سے مضبوط طریقہ سماع ہے، یعنی شاگرد استاد کے منہ سے حدیث خود سنے، خواہ استاد حفظ سے بیان کرے یا کتاب سے پڑھ کر سنائے، اور خواہ وہ املا کرائے یا معمول کے مطابق درس دے۔ اس صورت میں شاگرد حدثنی اور سمعت جیسے الفاظ سے روایت کرتا ہے اور یہ الفاظ سماع کی صراحت کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ دوسرا طریقہ قراءت ہے، جسے عرض بھی کہا جاتا ہے؛ اس میں شاگرد استاد کے سامنے حدیث پڑھتا ہے اور استاد سن کر اس کی تصدیق کرتا ہے، گویا پڑھنا استاد کے سامنے پیش کرنا ہے۔ قراءت کی دو صورتیں ہیں: شاگرد خود پڑھے یا کوئی اور پڑھے اور وہ سن کر سمجھتا رہے؛ محدثین کی اکثریت اسے بھی درست اور قوی طریقہ مانتی ہے، بلکہ بعض نے بعض پہلوؤں سے اسے سماع کے برابر بلکہ اس سے بھی واضح قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں الفاظ کی درستگی شاگرد کے پڑھنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ ان دونوں طریقوں

کو سب سے بلند اس لیے رکھا گیا ہے کہ ان میں استاد و شاگرد کا براہِ راست رابطہ ہوتا ہے، غلطی کی گنجائش سب سے کم ہوتی ہے اور شاگرد کے دل میں بھی استاد کے طریقے و ادب کا اثر قائم ہوتا ہے۔ روایت کی کتب میں اخبرنی، حدثنی، انبانی اور قرأت علیہ جیسی علامات دراصل انہی مختلف طریقوں کی نشان دہی کے لیے وضع کی گئی ہیں۔

تحمل کے طریقے (2): اجازت اور مناولہ

تیسرا مشہور طریقہ اجازت ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ استاد کسی خاص شاگرد کو اپنی مرویات یا کسی خاص کتاب کی روایت کی اجازت دے، خواہ شاگرد نے وہ کتاب اس کے سامنے پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو۔ اجازت کی کئی صورتیں ہیں: معین کتاب کی معین شخص کو اجازت، عام اجازت، اور معدوم یا آئندہ پیدا ہونے والے کے لیے اجازت جیسی بحثیں بھی کتبِ اصول میں مذکور ہیں اور ان میں اہلِ علم کی آراء مختلف ہیں؛ راجح عمل یہ ہے کہ معروف اور منصوص اجازت کو معتبر مانا جاتا ہے۔ اہلِ حدیث نے اجازت سے اس لیے فائدہ اٹھایا کہ اسفار اور بعدِ مسافت کے زمانے میں ہر طالب علم کے لیے ہر کتاب کا مکمل سماع ممکن نہیں رہتا تھا۔ چوتھا طریقہ مناولہ ہے، جس میں استاد اپنی کتاب یا نسخہ شاگرد کے حوالے کر کے اسے روایت کی اجازت دیتا ہے؛ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کتاب مستقل دے دی جائے اور دوسری یہ کہ عارضی طور پر نقل کرنے کے لیے دی جائے۔ جب مناولہ کے ساتھ اجازت بھی شامل ہو تو اسے محدثین نے بہت قوی درجہ دیا ہے، کیونکہ شاگرد کے پاس استاد کا مکمل نسخہ بھی ہے اور اجازت بھی۔ البتہ محض کتاب تھما دینا بغیر اجازت کے بعض محدثین کے نزدیک روایت کے لیے کافی نہیں، اور یہی احتیاط اس فن کی نزاکت کو ظاہر کرتی ہے۔

تحمل کے طریقے (3): مکاتبت، اعلام، وصیت اور وجادہ

پانچواں طریقہ مکاتبت ہے، یعنی استاد اپنے ہاتھ سے یا لکھوا کر احادیث شاگرد کو بھیجے؛ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط اس طریقے کی اصل ہیں، اور بعد میں دور دراز کے علما کے درمیان یہی طریقہ رائج رہا۔ چھٹا طریقہ اعلام ہے، جس میں استاد شاگرد کو فقط یہ بتا دے کہ یہ کتاب یا یہ روایات اس کی مرویات ہیں، صریح اجازت کے الفاظ نہ کہے؛ اس صورت میں روایت کے جواز پر محدثین کے درمیان بحث ہے اور محتاط رائے اسے عمل کے لیے کافی نہیں سمجھتی جب تک اجازت کا مفہوم واضح نہ ہو۔ ساتواں طریقہ وصیت ہے، جس میں استاد سفر یا وفات کے وقت اپنی کتابیں کسی شخص کے نام وصیت کر دے؛ بعض علما نے اسے بھی تحمل کی ہلکی صورت مانا ہے اور بعض نے اسے اجازت کے قریب

رکھا ہے، مگر اس کا درجہ سماع و قراءت سے کم ہی بیان ہوا ہے۔ آٹھواں طریقہ وجادہ ہے، یعنی کسی شخص کو کسی محدث کی کتاب یا اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی احادیث مل جائیں، بغیر اس محدث سے ملاقات یا اجازت کے۔ وجادہ سب سے کم درجے کا طریقہ ہے؛ اس صورت میں راوی کو وَجَدتُ بخط فلان کہہ کر حقیقت واضح کرنی چاہیے اور حدیث کی عام صیغوں سے روایت درست نہیں سمجھی جاتی، البتہ کتاب ثابت و معروف ہو تو اس سے استفادہ اور نقلِ حوالہ کی گنجائش اہلِ علم نے دی ہے۔ ان آٹھوں طریقوں کی ترتیب درجات کے اعتبار سے ہے اور کتبِ اصول، مثلاً مقدمہ ابن الصلاح اور نخبۃ الفکر کی شروح میں یہ بحث بڑی تفصیل سے ملتی ہے۔

جدول 1: تحمّلِ حدیث کے آٹھ طریقے

طریقہ	صورت	درجہ / حکم
سماع	استاد سے براہِ راست سننا	سب سے اعلیٰ و مضبوط
قراءت (عرض)	استاد کے سامنے پڑھنا اور اس کی تصدیق	قوی؛ سماع کے قریب
اجازت	استاد مرویات بیان کرنے کی اجازت دے	معین و معروف اجازت معتبر
مناولہ	کتاب حوالے کرنا، اجازت کے ساتھ یا بغیر	اجازت کے ساتھ قوی
مکاتبت	استاد لکھ کر احادیث بھیجے	اہلِ علم کے ہاں مقبول
اعلام	فقط یہ بتانا کہ یہ میری مرویات ہیں	روایت کے لیے محتاط رائے کافی نہیں
وصیت	کتابیں کسی کے نام وصیت کرنا	کم درجہ؛ بعض کے نزدیک اجازت کے قریب
وجادہ	کسی محدث کی تحریر مل جانا	سب سے کم؛ وجدت کے صیغے سے بیان کرنا لازم

اہمیت اور اختتام سے پہلے ایک جامع نظر

تحمّلِ حدیث کی اس پوری بحث کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے روایت ایک منظم تعلیمی نظام کی صورت اختیار کرتی ہے۔ ہر طریقے کے لیے الگ صیغے مقرر ہونے سے بعد کے محدثین کو سند دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ راوی نے حدیث کس صورت میں حاصل کی تھی، اور اسی سے اس کی روایت کا وزن مقرر ہوتا تھا۔ یہ نظام آج کے تعلیمی نظام میں ڈگری، سند اور کریڈٹ کی منتقلی کے اصولوں سے مشابہ بھی ہے اور ان سے کہیں قدیم و نفیس بھی۔ طالب علم کے لیے اس بحث کا سبق یہ ہے کہ علم کو ہمیشہ سند و نسبت کے ساتھ حاصل کیا جائے، ماخذ واضح رکھا جائے اور جو طریقہ اختیار کیا گیا ہو اسے انہی الفاظ میں بیان کیا جائے جن کے وہ مستحق ہے؛ بصورتِ دیگر چھوٹی سی بے احتیاطی بڑی علمی غلطی بن سکتی ہے۔ اسی اصول نے حدیث کے ذخیرے کو صدیوں تک امانت و درستگی کے ساتھ محفوظ رکھا

اختتام

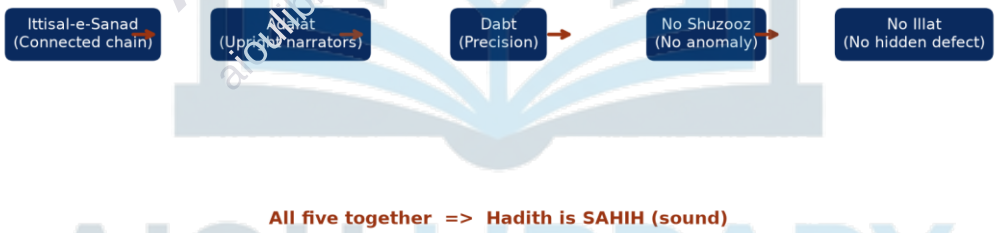
خلاصہ یہ ہے کہ تحمّلِ حدیث سے مراد استاد سے حدیث حاصل کر کے اس کی امانت اپنے ذمے لینا ہے، اور اس کے بالمقابل ادائے حدیث اسے آگے پہنچانا ہے۔ تحمّل کے لیے تمیز، ضبط اور امانت بنیادی شرائط ہیں، اور اس کے آٹھ طریقے سماع، قراءت، اجازت، مناولہ، مکاتبت، اعلام، وصیت اور وجادہ درجات کے اعتبار سے مرتب ہیں؛ سماع سب سے اعلیٰ اور وجادہ سب سے کم درجہ رکھتا ہے، اور ہر طریقے کے لیے مخصوص صیغے اسی غرض سے وضع ہوئے کہ راوی کے طریقۂ حصول کی حقیقت ہر زمانے میں واضح رہے۔ یہی نظم و ضبط علمِ حدیث کی امتیازی شان ہے۔

سوال نمبر 2 (20 نمبر)

سوال: صحیح حدیث کی شرائط تحریر کریں۔

تعارف

حدیث کو پرکھنے کا سب سے منظم نظام اس کی اقسام اور شرائط کا علم ہے۔ جب محدثین کسی حدیث کو صحیح کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ حدیث اپنے راویوں، سند اور متن کے اعتبار سے ان تمام شرائط پر پوری اترتی ہے جو قبولیت کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔ صحیح حدیث محدثین کے اتفاق کے مطابق وہ حدیث ہے جس کی سند متصل ہو، اس کے راوی عادل و ضابط ہوں، اور وہ شذوذ اور علت سے محفوظ ہو۔ یہ تعریف مختصر مگر جامع ہے، کیونکہ اس میں پانچ شرائط پوشیدہ ہیں جن کے اجتماع سے حدیث صحیح بنتی ہے اور ان میں سے کسی ایک شرط کی کمی اسے درجے سے گرا دیتی ہے۔ اس جواب میں پہلے تعریف، پھر پانچوں شرائط کی الگ الگ تشریح، پھر صحیح حدیث کے درجات و حکم اور شرائط کی عملی افادیت بیان کی جائے گی۔ ذیل کا خاکہ پانچوں شرائط کو ترتیب سے پیش کرتا ہے۔



خاکہ 1: صحیح حدیث کی پانچ شرائط (خاکے کے نام تکنیکی ضرورت کے تحت انگریزی رسم الخط میں ہیں)

پہلی شرط: اتصالِ سند

پہلی شرط اتصالِ سند ہے، یعنی سند کے تمام راویوں کا سلسلہ اس طرح جڑا ہو کہ ہر راوی نے حدیث اپنے سے پچھلے راوی سے براہِ راست حاصل کی ہو اور درمیان میں کوئی کڑی مفقود نہ ہو۔ اگر سند میں کوئی راوی گرا ہوا ہو تو حدیث کی قسم بدل جاتی ہے: آغاز سے گرے تو معلق، آخر سے گرے تو مرسل، درمیان سے ایک گرے تو منقطع اور دو یا زیادہ گر جائیں تو معضل کہلاتی ہے، اور ایسی احادیث اصل درجۂ صحیح میں شامل نہیں ہوتیں۔ اتصال کی جانچ کے لیے محدثین راویوں کی ولادت و وفات، ان کے اسفار و مقامات اور

ایک دوسرے سے ملاقات کے امکان وثبوت کو دیکھتے ہیں۔اسی طرح معنعن روایت یعنی وہ سند جس میں راوی نے اپنے شیخ سے صرف عن کہہ کر روایت کی ہو،اس کے اتصال کے لیے شرط یہ ہے کہ راوی مدلس نہ ہو اور اس کی اپنے شیخ سے ملاقات یا کم از کم معاصرت ثابت ہو۔تدلیس کی بحث بھی اسی شرط سے جڑی ہے،کیونکہ مدلس ضعیف شیخ کو گرا کر سند بظاہر متصل دکھا سکتا ہے،اس لیے محدثین نے مدلس کی معنعن روایت کو سماع کی صراحت تک قبول کرنے میں احتیاط برتی ہے۔اتصال دراصل اس یقین کا نام ہے کہ حدیث واقعی اسی راستے سے آئی ہے جس راستے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے۔

دوسری اور تیسری شرط: راویوں کی عدالت اور ضبط

دوسری شرط عدالت ہے۔عادل راوی سے مراد وہ مسلمان،عاقل وبالغ شخص ہے جو تقوے اور مروت کا پابند ہو،کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو،تاکہ اس کی دیانت پر اعتماد کیا جا سکے۔عدالت کی جانچ اسماء الرجال اور جرح وتعدیل کی کتابوں سے ہوتی ہے،جن کا غارف پچھلی مشق میں گزر چکا ہے۔تیسری شرط ضبط ہے،یعنی راوی حدیث کو جس طرح سنے اسی طرح محفوظ رکھے اور اسی طرح آگے بیان کرے۔ضبط کی دو صورتیں ہیں: ضبطِ صدر یعنی حافظے کی قوت اور ضبطِ کتاب یعنی کتاب کو غلطی و تبدیلی سے محفوظ رکھنا۔جس راوی کا ضبط مکمل درجے کا ہو اسے ضابطِ تام کہتے ہیں؛اس درجے کی کمی سے حدیث صحیح سے حسن کے درجے میں آ جاتی ہے،اور ضبط میں نمایاں خرابی،مثلاً کثرتِ غلطی،بدحافظگی یا وہم کی زیادتی راوی کو ضعیف بنا دیتی ہے۔عدالت اور ضبط میں فرق یہ ہے کہ عدالت اخلاقی دیانت کی شرط ہے اور ضبط ذہنی و فنی استعداد کی؛ایک شخص متقی ہونے کے باوجود کمزور حافظے کا ہو سکتا ہے اور حافظ شخص دیانت میں کمزور ہو سکتا ہے،اس لیے محدثین نے دونوں کو الگ الگ شرط قرار دیا۔یہی اصولی باریکی اس علم کو دوسرے تاریخی علوم سے ممتاز کرتی ہے۔

چوتھی اور پانچویں شرط: شذوذ و علت سے سلامتی

چوتھی شرط یہ ہے کہ حدیث شاذ نہ ہو۔شذوذ سے مراد یہ ہے کہ ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ یا زیادہ تعداد میں راویوں کے خلاف کوئی بات بیان کرے؛ایسی روایت کو شاذ کہا جاتا ہے اور وہ درجۂ صحت سے گر جاتی ہے،کیونکہ قوی تر روایت کے مقابلے میں اس کا انفراد غلطی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔اس کے مقابلے میں جو روایت زیادہ قوی ہو وہ

محفوظ کہلاتی ہے۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ حدیث علت سے محفوظ ہو۔ علت وہ پوشیدہ اور خفیہ خرابی ہے جو بظاہر درست سند میں چھپی ہوتی ہے، مثلاً متصل سند کا درحقیقت منقطع ہونا، ایک راوی کا دوسرے سے بدل جانا، یا متن و سند میں ایسا اضطراب جس کا پتا صرف روایات کے موازنے سے چلتا ہے۔ علت کی شناخت اس فن کی سب سے مشکل مہارت ہے اور بڑے حفاظ ہی اس میں حکم لگاتے تھے؛ امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور دار قطنی جیسے ائمہ کی کتابیں علل کی بحث سے بھری ہوئی ہیں۔ اس شرط کا مقصد یہ ہے کہ صحت کا فیصلہ ظاہری صورت پر نہ ہو بلکہ باطنی حقیقت پر ہو۔ یوں پانچوں شرائط میں پہلی تین مثبت شرائط ہیں اور آخری دو سلامتی کی شرائط ہیں؛ پانچوں کا اجتماع ہی کامل صحت ہے۔

جدول 1: شرائط پوری نہ ہونے کی صورت میں حدیث کا درجہ

نتیجہ درجہ / اصطلاح	کمیاب شرط
سند کی صورت کے مطابق معلق، مرسل، منقطع یا معضل؛ صحیح نہیں	اتصالِ سند نہ ہو
راوی مجروح؛ حدیث ضعیف کے دائرے میں	عدالت نہ ہو
حدیث حسن کے درجے میں	کامل ضبط نہ ہو (ہلکی کمی)
ضعیف؛ بسا اوقات منکر یا متروک	ضبط میں بڑی خرابی
شاذ (راوی ثقہ ہونے کے باوجود)	شذوذ ہو
معلل؛ بظاہر صحیح مگر باطن میں عیب دار	علت ہو

صحیح حدیث کے درجات اور اس کا حکم

صحیح حدیث خود بھی یکساں درجے کی نہیں ہوتی؛ شرائط کے کمال کے اختلاف سے اس کے مراتب بنتے ہیں۔ اہلِ علم نے بالاترین درجہ وہ حدیث بتایا ہے جو صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں ہو، اسے متفق علیہ کہتے ہیں؛ پھر وہ جو صرف بخاری میں ہو، پھر وہ جو صرف مسلم میں ہو، پھر وہ جو دونوں کی شرائط پر پوری اترے مگر ان کی کتب میں نہ ہو، اور اس کے بعد دوسرے مؤلفین کی شرائط والی احادیث آتی ہیں۔ اسی طرح صحیح کی دو قسمیں بھی بیان کی جاتی ہیں: صحیح لذاتہ، جو اپنی ذات میں تمام شرائط پر پوری ہو، اور صحیح لغیرہ، جو اصلاً حسن ہو مگر دوسری اسانید و شواہد کی تائید سے درجۂ صحت کو پہنچ جائے۔ حکم کے اعتبار سے، صحیح حدیث پر عمل کرنا اور اسے قبول کرنا اہلِ سنت کے نزدیک لازم ہے، بشرطیکہ اس کے مقابل اس سے قوی دلیل موجود نہ ہو؛ عقائد و احکام دونوں میں صحیح حدیث حجت ہے۔ اس مسئلے میں یہ احتیاط بھی ذکر کی جاتی ہے کہ کسی جزوی مسئلے پر حتمی شرعی حکم اور اس کا اطلاق اہلِ فقہ و اہلِ علم کا کام ہے؛ یہاں مقصود صحیح کے اصطلاحی درجے اور اس کی دلالت کو سمجھنا ہے۔

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ صحیح حدیث وہ ہے جس کی سند متصل ہو، راوی عادل و ضابط ہوں، اور وہ شذوذ و علت سے محفوظ ہو۔ اتصالِ راستے کی درستگی، عدالتِ راوی کی دیانت، ضبط اس کی فنی استعداد، عدمِ شذوذ اجتماعی روایت سے ہم آہنگی اور عدمِ علت باطنی سلامتی کی ضمانت ہے۔ ان میں سے کسی شرط کی کمی حدیث کو حسن، ضعیف یا دیگر اصطلاحی درجوں میں لے جاتی ہے۔ ان شرائط کا علم طالب علم کو ہر حدیث کا درجہ پہچاننے اور محدثین کے فیصلوں کو سمجھنے کے قابل بناتا ہے، اور یہی علمِ حدیث کی پہچان اور اس کا فخر ہے۔

سوال نمبر 3 (20 نمبر)

سوال: صحیح بخاری کی کتاب العلم کی روشنی میں علم کے آداب اور فضیلت پر نوٹ لکھیں۔

تعارف

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کا آغاز کتاب الوحی اور کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم سے کیا ہے، جو خود اس بات کا اعلان ہے کہ ایمان کے بعد دین کی بنیاد علم ہے۔ کتاب العلم میں آپ نے سو سے زیادہ ایسی تراجم و روایات جمع کی ہیں جن میں علم کی فضیلت، اسے حاصل کرنے اور پھیلانے کے آداب، استاد و شاگرد کے باہمی حقوق، سوال کرنے کا طریقہ اور علم کو لکھنے و یاد کرنے کی صورتیں بیان ہوئی ہیں۔ امام بخاری کے تراجم الابواب خود فقہ و فہم کا خزانہ ہیں؛ ہر باب کا عنوان ایک علمی نکتہ دیتا ہے۔ اس نوٹ میں کتاب العلم کی روشنی میں پہلے علم کی فضیلت اور پھر اس کے آداب کو منظم انداز میں بیان کیا جائے گا، تاکہ طالب علم کے لیے علم حاصل کرنے کا شرعی و اخلاقی نقشہ واضح ہو جائے۔

علم کی فضیلت کتاب العلم کی روشنی میں

کتاب العلم کے پہلے ہی باب میں امام بخاری نے علم کی فضیلت کو مرکزی مضمون بنایا ہے۔ اس باب کی مشہور حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے؛ اس سے معلوم ہوا کہ فقہ و فہم اللہ کی عظیم عطا اور اس کے رضا کی علامت ہے۔ اسی کتاب میں اس شخص کی مثال دی گئی ہے جو علم و ہدایت سے اس طرح فیض یاب ہوتا ہے جیسے بارش سے زمین؛ بعض زمین زرخیز ہو کر پھل دیتی ہے، بعض پانی روک کر دوسروں کو فائدہ پہنچاتی ہے اور بعض بنجر رہ جاتی ہے؛ اہلِ علم نے اس تمثیل سے اہلِ علم کی اقسام اور عوام کے درجات سمجھائے ہیں۔ کتاب العلم میں حسد کو صرف دو چیزوں میں پسندیدہ قرار دینے والی روایت بھی اس جانب اشارہ کرتی ہے کہ علم اور اس پر عمل وہ نعمت ہے جس کی تمنا کرنا بھی باعثِ فضل ہے۔ اسی طرح جہالت کو دور کرنے اور علم کے مرنے یعنی علما کے اٹھ جانے کو بڑی علامات میں بیان کیا گیا ہے، جس سے علم کی حیثیت دین کی حفاظت کا ذریعہ ٹھہرتی ہے۔ فضیلت کی ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ علم محض ذہنی مشغلہ نہیں بلکہ اللہ کی قربت، اس کی رضا اور امت کی بقا کا سبب ہے۔

علم کے حصول کے آداب: نیت، سفر، سوال اور حیا کا مسئلہ

کتاب العلم سے حصولِ علم کے چند نمایاں آداب ملتے ہیں۔ پہلا ادب اخلاص و نیت ہے؛ اعمال کا مدار نیت پر ہونے کا اصول علم پر بھی جاری ہے، اس لیے علم شہرت و مفاد کے لیے نہیں بلکہ اللہ کی رضا اور دین کی خدمت کے لیے حاصل کیا جائے۔ دوسرا ادب طلب میں محنت و سفر ہے؛ امام بخاری نے اس باب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علمی سفر کا ذکر کر کے سمجھایا ہے کہ بڑا عالم بھی علم کے لیے سفر اور استاد کی تلاش کرتا ہے، اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے ایک حدیث کے لیے ایک ماہ کے سفر کا واقعہ بھی اسی باب کے پس منظر میں اہلِ علم نقل کرتے ہیں۔ تیسرا ادب سوال کرنے کا ہے؛ علم کا خزانہ سوال سے کھلتا ہے، مگر سوال بلاوجہ مقابلے یا آزمائش کے لیے نہ ہو۔ چوتھا اہم ادب حیا کا مسئلہ ہے؛ کتاب العلم میں حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی گفتگو سے یہ اصول دیا گیا ہے کہ دینی مسئلہ پوچھنے میں حیا رکاوٹ نہیں بننی چاہیے، کیونکہ اللہ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا، البتہ سوال کے انداز میں تہذیب و پردے کا پاس رکھنا بھی اسی روایت کے سیاق سے سمجھایا گیا ہے۔ پانچواں ادب یہ ہے کہ جوابات معلوم نہ ہو اس کا جواب دینے سے اجتناب کیا جائے اور معاملہ اہلِ علم کی طرف لوٹایا جائے؛ امام بخاری نے اس پر الگ باب باندھا ہے کہ جو شخص علم کے بغیر فتویٰ دے اس کا گناہ کس پر ہو گا، جس سے اہلِ علم کی احتیاط کا بڑا سبق ملتا ہے۔

استاد و شاگرد کے آداب اور علم کی تبلیغ

کتاب العلم میں استاد و شاگرد کے باہمی آداب بھی روشن ہیں۔ استاد کا ادب یہ ہے کہ وہ شاگردوں کو بٹھا کر توجہ سے پڑھائے، مشکل بات کو دہرائے تاکہ سمجھ آ جائے، مجلس میں سب کی طرف متوجہ رہے اور کسی کو محروم نہ کرے؛ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بات کو تین بار دہرانا اسی شفقت کی مثال کے طور پر کتب میں بیان ہوتا ہے۔ امام بخاری نے عورتوں کی تعلیم کے لیے الگ دن مقرر کرنے کی روایت پر بھی باب قائم کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کا حق ہر طبقے کے لیے ہے اور استاد کو طلب کے مطابق وقت و اہتمام کرنا چاہیے۔ شاگرد کا ادب استاد کی عزت، مجلس میں خاموشی و توجہ، جلوس و قیام کی ترتیب اور حدیث کو روایت کرتے وقت نسبت کی احتیاط ہے۔ تبلیغِ علم کے باب میں اصول یہ دیا گیا ہے کہ حاضر غائب تک بات پہنچائے، اور یہ ذمہ داری اس نرمی و حکمت کے ساتھ ہو کہ سننے والا اسے سمجھ سکے؛ امام بخاری کا باب کہ مبلغ بعض اوقات اس شخص

سے زیادہ سمجھدار ہوتا ہے جس تک بات پہنچائی جائے، مبلغ کے لیے بھی بڑی حوصلہ افزائی ہے کہ وہ اپنی سمجھ کی کمی کو تبلیغ کی رکاوٹ نہ بنائے۔ اسی کتاب میں بیٹھ کر علم کی مجلس لگانے، درخت کے نیچے یا مسجد میں پڑھانے اور سفر و حضر ہر حال میں تعلیم جاری رکھنے کی صورتیں بھی موجود ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ تعلیم کسی ایک صورت میں مقید نہیں۔

علم کی حفاظت کے آداب: یاد کرنا، لکھنا اور مقابلہ

کتاب العلم کے آخری مباحث کا تعلق علم کی حفاظت سے ہے۔ امام بخاری نے احادیث کو لکھنے کے بارے میں مفصل باب باندھا ہے، جس میں صحابہ کا احادیث لکھنا اور کتابت سے متعلق روایات جمع کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ لکھنا حفاظتِ علم کا جائز بلکہ پسندیدہ ذریعہ ہے، بشرطیکہ لکھی جانے والی چیز کی درستگی کا خیال رکھا جائے۔ اسی طرح یاد کرنے اور یادداشت سے سنانے کی فضیلت، مجلس میں آگے پیچھے رکھے ہوئے مواد کو درست نقل کرنا اور اپنے سے زیادہ جاننے والے سے تصدیق کرانا بھی اسی کتاب کے اسباق میں آتا ہے۔ امام بخاری کی ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ ترجمے میں کبھی مختصر اشارہ اور کبھی طویل جملہ لاتے ہیں، اور انہی اشاروں سے فقہاء نے علم کے دسیوں آداب اخذ کیے ہیں، مثلاً وقت کی قدر، مجلس کا ادب، اہلِ علم سے سوال کا طریقہ اور علم کو چھپانے کی مذمت۔ اس کتاب کا آخری پیغام یہ ہے کہ علم امانت ہے؛ جو اسے صحیح نیت، صحیح طریقے اور صحیح آداب کے ساتھ حاصل کرتا اور آگے پہنچاتا ہے وہی اہلِ علم کی صف میں کھڑا ہوتا ہے، اور جو اس میں خیانت یا سستی کرتا ہے وہ اس کی فضیلت سے محروم رہتا ہے۔ آج کے طالب علم کے لیے یہ آداب بالکل اسی طرح قابلِ عمل ہیں: باقاعدگی سے مطالعہ، استاد کا احترام، نوٹس لکھنا، اپنے سے بڑوں سے تصدیق اور سیکھے ہوئے علم کو دوسروں تک خیر خواہی سے پہنچانا اسی کتاب العلم کا عملی خلاصہ ہے۔

جدول 1: کتاب العلم سے ماخوذ اہم آداب کا خلاصہ

بنیادی نکتہ	ادب
علم اللہ کی رضا اور دین کی خدمت کے لیے حاصل کیا جائے	اخلاصِ نیت

علم کے لیے محنت، تلاش استاد اور سفر کی فضیلت	طلب و سفر
سمجھنے کے لیے سوال؛ حیا دینی مسئلہ پوچھنے میں رکاوٹ نہ بنے	سوال کا ادب
علم کے بغیر جواب نہ دیا جائے، اہلِ علم سے رجوع کیا جائے	نہ جاننے پر توقف
توجہ، تکرار، سب کی شمولیت اور ہر طفل کی تعلیم کا اہتمام	استاد کا ادب
یاد کرنا، لکھنا اور تصدیق کے ساتھ آگے پہنچانا	حفاظتِ علم

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ صحیح بخاری کی کتاب العلم علم کی فضیلت اور اس کے آداب کا جامع دستاویز ہے۔ اس کی روشنی میں علم دین کو سمجھ اللہ کی عطا ہے، اس کا حصول نیت کی درستگی، محنت و سفر، بامقصد سوال اور حیا کے صحیح مفہوم کے ساتھ وابستہ ہے، اس کی تبلیغ حاضر سے غائب تک فرضِ کفایہ کی صورت میں جاری رہتی ہے، اور اس کی حفاظت یاد کرنے، لکھنے اور تصدیق کرنے سے ہوتی ہے۔ امام بخاری کے تراجم ان سب آداب کو ایک فقیہ کی نظر سے مرتب کرتے ہیں۔ طالب علم اگر کتاب العلم کے ان اسباق کو اپنی طالب علمی میں اپنالے تو وہ صرف معلومات حاصل نہیں کرتا بلکہ اہلِ علم کے اخلاق و منہج کا وارث بھی بنتا ہے۔

سوال نمبر 4 (20 نمبر)

سوال: مسند احمد میں سے کوئی بھی تین احادیث بمع ترجمہ تحریر کریں۔

تعارف

مسند احمد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (164ھ – 241ھ) کا وہ عظیم مجموعہ ہے جس میں احادیث کو صحابہ کی نسبت سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں چالیس ہزار کے لگ بھگ احادیث (تکرار سمیت) بیان کی جاتی ہیں اور یہ محدثین کے لیے مستند ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے؛ اس کی احادیث کا بڑا حصہ صحاح و سنن میں بھی ملتا ہے۔ اس سوال میں مسند احمد سے تین مشہور اور بنیادی احادیث ان کے عربی متن اور اردو ترجمے کے ساتھ پیش کی جا رہی ہیں اور ہر حدیث کے بعد اس کا مختصر مفہوم و اہم نکات بھی دیے گئے ہیں، تاکہ جواب صرف متن کی نقل نہ رہے بلکہ طالب علم کو فہم بھی حاصل ہو۔ ایک اہم وضاحت یہ بھی ضروری ہے: ان تینوں احادیث کی مسند احمد میں موجودگی مسلم ہے، مگر ان کے نمبر مختلف ایڈیشنوں، مثلاً مؤسسۃ الرسالہ اور المیمنیہ نسخوں، میں مختلف ہیں؛ لہٰذا یہاں احادیث کو صحابی راوی کی نسبت سے پیش کیا گیا ہے اور نمبر کے لیے طالب علم اپنے ایڈیشن سے تصدیق کر لے۔ یہی احتیاط علمی دیانت کا تقاضا ہے۔

مسند احمد کا مختصر تعارف

مسند احمد کی ترتیب کا اصول یہ ہے کہ صحابہ کے ناموں کے تحت ان کی مرویات جمع کر دی گئی ہیں؛ اس کا آغاز عشرۂ مبشرہ کی مسندوں سے ہوتا ہے اور پھر صحابہ کی فضیلت و تقدیم کے اعتبار سے ابواب آتے ہیں۔ امام احمد نے اس کتاب کو امت کے لیے امام یعنی رہنما کے طور پر پیش کیا کہ اختلاف کی صورت میں اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ کتاب کی احادیث کے درجات مختلف ہیں: اس کا بڑا حصہ صحیح و حسن درجے کا ہے، کچھ روایات میں فنی بحث پائی جاتی ہے، اسی لیے محققین نے اس کی تخریج و تحقیق پر بڑا کام کیا ہے، جن میں جدید دور کے محققین کی تحقیقات قابلِ ذکر ہیں۔ نیچے منتخب تین احادیث وہ ہیں جو مسند احمد کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری و صحیح مسلم جیسی کتب میں بھی موجود ہیں، اس لیے ان کی صحت پر عمومی اتفاق ہے اور طالب علم کے لیے ان کا یاد کرنا آسان و مفید ہے۔ ہر حدیث میں راوی کا نام، متن، ترجمہ اور اہم نکات الگ الگ دیے گئے ہیں۔

حدیث نمبر1: اعمال کا مدار نیتوں پر ہے

راوی: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ متنِ حدیث: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ، وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیٍٔ مَانَوٰی، فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ، وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ لِدُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِامْرَاَۃٍ یَنْکِحُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَاھَاجَرَ اِلَیْہِ۔ ترجمہ: اعمال کا مدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔ پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف شمار ہو گی، اور جس کی ہجرت کسی دنیا کے حصول یا کسی عورت سے نکاح کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہو گی جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔ اس حدیث کو محدثین دین کی بنیاد کی احادیث میں شمار کرتے ہیں؛ امام شافعی رحمہ اللہ کے بقول علم کا ایک بڑا حصہ اسی حدیث کے گرد گھومتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری عمل کی قدر اللہ کے ہاں نیت سے معین ہوتی ہے؛ ایک ہی عمل خالص نیت سے عبادت اور دنیاوی نیت سے عام فعل بن جاتا ہے۔ طالب علم کے لیے سبق یہ ہے کہ وہ اپنی طالب علمی، تدریس اور ہر دینی عمل میں نیت کی درستگی کو سب سے مقدم رکھے۔ یہ حدیث مسند احمد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مسند میں موجود ہے اور صحیحین میں بھی مکمل مروی ہے۔

حدیث نمبر2: مسلمان وہ ہے جس کی زبان و ہاتھ سے دوسرے محفوظ رہیں

راوی: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما۔ متنِ حدیث: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ، وَالْمُھَاجِرُ مَنْ ھَجَرَ مَا نَھَی اللّٰہُ عَنْہُ۔ ترجمہ: (کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور حقیقی مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث میں اسلام کی اجتماعی اخلاقیات کو دو لفظوں میں سمو دیا گیا ہے: زبان سے حفاظت کا مطلب ہے غیبت، جھوٹ، طعن و تشنیع اور ایذا رسانی سے بچنا، اور ہاتھ سے حفاظت کا مفہوم ظلم، مار پیٹ، خیانت اور دوسروں کے حقوق تلف کرنے سے رکنا ہے۔ دوسرے جملے میں ہجرت کا حقیقی مفہوم بیان ہوا کہ اصل ہجرت مکانی نقل مکانی ہی نہیں بلکہ برائی کو چھوڑ دینا ہے؛ یہ مفہوم ہر زمانے کے مسلمان پر جاری ہے، چاہے وہ کہیں بھی رہتا ہو۔ طالب علم کے لیے اس حدیث کی روشنی میں یہ اصول نکلتا ہے کہ علم کا پہلا مظہر اپنے اخلاق و معاملات کی درستگی

ہے، کیونکہ زبان وہاتھ کی سلامتی کے بغیر علمی دعوے بے وزن ہو جاتے ہیں۔ یہ حدیث مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی مسند میں وارد ہے اور صحیحین میں بھی موجود ہے۔

حدیث نمبر 3: ایمان کی تکمیل بھائی کے لیے وہی پسند کرنا جو اپنے لیے

راوی: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ متنِ حدیث: لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہِ۔ ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اس حدیث میں ایمان کا معیار انفرادی عبادت سے آگے بڑھا کر سماجی خیر خواہی کو بنایا گیا ہے۔ اس کا مفہوم اہلِ علم نے یوں بیان کیا ہے کہ خیر و بھلائی کی ہر چیز میں، خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی، مسلمان اپنے لیے جو پسند کرے وہی دوسروں کے لیے بھی چاہے؛ خود غرضی، حسد اور بغض اس ایمان کے منافی ہیں۔ اس حدیث کی بنیاد پر امت میں ایثار، ہمدردی اور اجتماعی خیر کا وہ مزاج بنا جو اسلامی معاشرے کی پہچان ہے۔ طالب علم کے لیے اس میں خاص سبق یہ ہے کہ علم میں بھی یہی اصول جاری ہے؛ جو سچائی و فائدہ اپنے لیے چاہے وہی دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرے، علم کو چھپانا اور دوسروں کی کامیابی سے جلنا اس حدیث کے مفہوم کے خلاف ہے۔ یہ حدیث مسند احمد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی مسند میں موجود ہے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی مروی ہے۔

جدول 1: منتخب تین احادیث کا خلاصہ

بنیادی سبق	راوی	حدیث
عمل کی قیمت نیت سے ہے؛ اخلاص بنیاد ہے	حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	اعمال بالنیات
زبان و ہاتھ سے کسی کو ایذا نہ پہنچانا	حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما	مسلمان کی پہچان
خیر خواہی و ایثار ایمان کی تکمیل ہے	حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ	بھائی کے لیے پسند

ان احادیث کے مشترکہ نکات اور اختتام سے پہلے نظر

ان تینوں احادیث پر غور کیا جائے تو ایک خوبصورت ترتیب سامنے آتی ہے: پہلی حدیث باطن یعنی نیت کی درستگی سکھاتی ہے، دوسری حدیث زبان و کردار یعنی ظاہری عمل کی حفاظت سکھاتی ہے، اور تیسری حدیث دل کی کیفیت یعنی دوسروں کے لیے خیر خواہی کو ایمان کا معیار بناتی ہے۔ گویا تینوں مل کر ایک مسلمان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا مکمل نقشہ بناتی ہیں۔ یہ بھی قابلِ غور ہے کہ تینوں احادیث اپنے مضمون کی اہمیت کی وجہ سے امت میں سب سے زیادہ پڑھی اور یاد کی جانے والی احادیث میں شامل ہیں، اور علما نے انہیں وجوہ الاربعین یعنی چالیس منتخب احادیث کے مجموعوں میں بھی اولیت دی ہے۔ طالب علم کو چاہیے کہ وہ ان احادیث کو صرف امتحان کے لیے نہ پڑھے بلکہ ان کے متون کو یاد بھی کرے اور اپنے نصابی ایڈیشن سے مسند احمد میں ان کے مقامات کی تصدیق کی مشق بھی کرے، کیونکہ سوال کی اصل روح مخصوص کتاب سے احادیث نکالنے کی عملی تربیت ہے۔ اگر طالب علم اپنے ایڈیشن میں یہ احادیث تلاش کرے تو اسے راوی صحابی کی مسند کے باب ہی سے سلائڈ کا آغاز کرنا چاہیے، یہی مسانید کی ترتیب کا فائدہ ہے۔

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ مسند احمد امام احمد بن حنبل کا صحابہ کی نسبت سے مرتب عظیم مجموعہ ہے۔ اس میں سے یہاں تین مشہور احادیث عربی متن و اردو ترجمے کے ساتھ پیش کی گئی ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اعمال کے نیتوں پر مبنی ہونے کی حدیث، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مسلمان کی پہچان یعنی زبان و ہاتھ کی سلامتی کی حدیث، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایمان کی تکمیل کے لیے بھائی کی خیر خواہی کی حدیث۔ تینوں کی مفصل تشریح و اسباق بھی بیان کر دیے گئے ہیں، اور ایڈیشنوں میں نمبروں کے اختلاف کی تنبیہ کے ساتھ یہ ہدایت بھی دی گئی ہے کہ طالب علم اپنے نسخے سے مقام کی تصدیق کرے؛ یہی اس سوال کا علمی تقاضا ہے۔

سوال نمبر 5 (20 نمبر)

سوال: ریاض الصالحین کی روایات کی روشنی میں سحری اور روزہ دار کی روزہ کی افطاری کے فضائل پر نوٹ لکھیں۔

تعارف

ریاض الصالحین امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (631ھ – 676ھ) کی وہ مشہور کتاب ہے جس میں قرآن و حدیث کی روشنی میں اخلاق، عبادات اور معاملات کے منتخب نصوص ابواب کی ترتیب سے جمع کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب صدیوں سے گھروں، مساجد اور مدارس میں پڑھی پڑھائی جاتی ہے اور اس کی قبولیت کا سبب اس کا سادہ و موثر انتخاب ہے۔ اس کتاب کے کتاب الصوم یعنی روزوں کے باب میں سحری اور افطاری سے متعلق روایات بھی درج ہیں۔ اس نوٹ میں پہلے ریاض الصالحین کا مختصر تعارف، پھر سحری کی فضیلت، اس کے بعد افطاری کی فضیلت اور آخر میں دونوں سے حاصل ہونے والے مشترکہ اسباق بیان کیے جائیں گے۔ یہ بحث فضائل و ترغیب کی علمی بحث ہے؛ روزے کے جزوی احکام و مسائل میں فتویٰ و عمل کی رہنمائی اہلِ علم سے حاصل کی جائے۔

ریاض الصالحین اور کتاب الصوم کا تعارف

امام نووی نے ریاض الصالحین کو اس غرض سے مرتب کیا کہ عام مسلمان اور طالب علم دونوں کے سامنے زندگی کے ہر شعبے کی منتخب قرآنی آیات و احادیث ایک چھوٹی سی کتاب میں آ جائیں۔ کتاب میں اخلاص سے لے کر صبر، شکر، جہاد، دعا اور روزے و حج تک کے ابواب ہیں۔ کتاب الصوم میں روزے کی فضیلت، رمضان کے روزے، سحری کی ترغیب، افطار میں تعجیل، روزہ دار کی دعا اور روزہ کھولنے کھلانے کے فضائل جیسے موضوعات پر روایات ترتیب سے آئی ہیں۔ امام نووی کی عادت ہے کہ پہلے آیت یا حدیث کا متن دیتے ہیں، پھر ماخذ کی نشان دہی کرتے ہیں اور کبھی مختصر فائدہ بھی بیان کرتے ہیں۔ سحری و افطاری کے باب میں جو روایات ہیں ان کا ماخذ عموماً صحیحین و سنن کی مشہور کتابیں ہیں، اس لیے ان کا درجہ بھی بلند ہے۔ اس نوٹ میں انہی روایات کے مضامین کو اردو مفہوم کے ساتھ جمع کیا گیا ہے، اور مختصر مشہور الفاظ کے سوا طویل متون کی نقل سے احتیاط کر کے مفہوم کو ترجیح دی گئی ہے، تاکہ بات درست بھی رہے اور قاری کو فضائل کا مجموعی نقشہ بھی مل جائے۔

سحری کے فضائل ریاض الصالحین کی روایات کی روشنی میں

سحری رات کے آخری حصے میں روزے کی نیت سے کھایا جانے والا کھانا ہے۔ ریاض الصالحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت نقل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سحری کھایا کرو، کیونکہ سحری میں برکت ہے۔ اس ایک جملے میں سحری کی سب سے بڑی فضیلت بیان ہو گئی کہ یہ عمل بجائے خود بابرکت ہے۔ برکت سے مراد اہلِ علم نے دنیاوی و اخروی دونوں فیوض بیان کیے ہیں: بدن کو دن بھر کے روزے کی طاقت ملتی ہے، نیت و عزم تازہ ہوتا ہے، اور اس وقت بیداری سے نماز و ذکر کا موقع بھی ملتا ہے، کیونکہ سحری کا وقت قبولیتِ دعا کا خاص وقت ہے۔ ایک اور روایت میں، جو ریاض الصالحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول اور مسند احمد وغیرہ میں موجود ہے، سحری کو پورے کا پورا برکت قرار دے کر یہ تاکید کی گئی ہے کہ اسے ترک نہ کیا جائے، اگرچہ ایک گھونٹ پانی ہی کیوں نہ ہو، اور اس میں یہ خوش خبری بھی ہے کہ سحری کھانے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتا ہے اور فرشتے ان کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اہلِ کتاب کے روزوں سے امتیاز بھی سحری ہی سے بتایا گیا ہے کہ ہمارے اور ان کے روزے کے درمیان فرق سحری کا کھانا ہے؛ اس طرح سحری سنت کی پیروی اور شعارِ اسلام کی حفاظت بھی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سحری ترک کرنا محرومی ہے، اگرچہ روزہ اس کے بغیر بھی ہو جاتا ہے، مگر فضیلت کا حصہ یہی ہے کہ سنت پر عمل کیا جائے۔

افطاری کے فضائل: تعجیل، دعا اور روزہ دار کی خوشیاں

افطاری میں سب سے پہلی فضیلت تعجیل کی ہے۔ ریاض الصالحین میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ لوگ اس وقت تک خیر پر رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کرتے رہیں گے، یعنی سورج غروب ہوتے ہی بلاوجہ تاخیر نہ کریں۔ اس کے بالمقابل یہود و نصاریٰ کی تاخیر کو بھی روایات میں ناپسند بتایا گیا ہے۔ دوسری فضیلت روزہ دار کی دعا کی قبولیت ہے؛ روایات میں افطار کے وقت روزہ دار کی دعا کے رد نہ ہونے کی خوش خبری دی گئی ہے، کیونکہ وہ عبادت کی تکمیل، عاجزی اور حاجت کے مخصوص لمحے میں ہوتا ہے۔ افطار کی مشہور دعا ذہب الظمأ وابتلت العروق وثبت الأجر ان شاء اللہ اسی موقع کی یادگار ہے، یعنی پیاس جاتی رہی، رگیں تر ہو گئیں اور اجر ان شاء اللہ ثابت ہو گیا۔ تیسری بڑی فضیلت وہ دو خوشیاں ہیں جن کا ذکر مشہور حدیث میں ہے کہ روزہ دار کو دو خوشیاں ملتی ہیں: ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے رب سے ملاقات کے وقت؛ اس

سے معلوم ہوا کہ افطاری محض کھانا کھلانا نہیں بلکہ عبادت کی تکمیل کی خوشی کا لمحہ ہے۔ چوتھی فضیلت روزہ دار کو افطار کرانے کی ہے؛ روایت میں ہے کہ جو کسی روزہ دار کو افطار کرائے اسے روزہ دار جیسا اجر ملتا ہے اور روزہ دار کے اجر میں کمی بھی نہیں ہوتی۔ اس ترغیب نے مسلمان معاشروں میں دسترخوانِ افطار کی عظیم روایت قائم رکھی ہے، جس میں غریب و امیر ایک ساتھ بیٹھتے ہیں۔

سحری و افطاری سے حاصل ہونے والے مشترکہ اسباق

سحری و افطاری کی روایات کو یکجا دیکھنے سے چند مشترکہ اسباق ملتے ہیں۔ پہلا سبق یہ کہ عبادت میں سنت کی پیروی خود فضیلت کا سبب ہے؛ سحری بھوک کی ضرورت پوری کرنے کے ساتھ ساتھ حکمِ نبوی کی تعمیل بھی ہے اور افطار میں تعجیل بھی اسی طرح سنت ہے۔ دوسرا سبق وقت کی تنظیم ہے؛ روزہ دار کا دن سحری سے شروع اور افطاری پر ختم ہوتا ہے، گویا رمضان اسے پوری زندگی کی ایمانی ترتیب سکھاتا ہے۔ تیسرا سبق اجتماعیت ہے؛ سحری گھر والوں کو ایک سفرے پر اور افطاری اہلِ محلہ و مساکین کو ایک دسترخوان پر جمع کرتی ہے، اس لیے یہ دونوں لمحے خاندانی و معاشرتی محبت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ چوتھا سبق شکر و رحمت ہے؛ سحری میں رحمت و دعائے فرشتگان کا وعدہ اور افطاری میں اجر کی تکمیل کا اعلان انسان کو اللہ کی نوازشوں کا شعور دیتا ہے۔ یہاں یہ علمی تنبیہ مناسب ہے کہ فضائل کی یہ ساری بحث ترغیب کے باب سے ہے؛ روزے کے باطل ہونے یا نہ ہونے، سحری کے وقت کی آخری حد اور افطار کے غروب کے تعین جیسے جزوی مسائل اپنے اپنے فقہی دلائل رکھتے ہیں، اور ان کا اطلاق ہر فرد اپنی صورتحال کے مطابق اہلِ علم سے پوچھ کر کرے؛ اس گائیڈ کا مقصد فضائل کی سمجھ بوجھ ہے، فتویٰ دینا نہیں۔

جدول 1: سحری و افطاری کے فضائل کا خلاصہ

ماخذ روایت (ریاض الصالحین، کتاب الصوم)	فضیلت	عمل
حضرت انس رضی اللہ عنہ: سحری میں برکت ہے (متفق علیہ)	برکت؛ سنت کی پیروی	سحری

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ (مسند احمد وغیرہ)	رحمتِ الٰہی اور فرشتوں کی دعا؛ ترک نہ کرنے کی تاکید	سحری
حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ (متفق علیہ)	تعجیل میں خیر و برکت	افطاری
کتاب الصوم کی مشہور روایات	دعا کی قبولیت اور دو خوشیاں	افطاری
مشہور ترغیبی روایت (ترمذی وغیرہ)	روزہ دار جیسا اجر، اس کے اجر میں کمی کے بغیر	افطار کرانا

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ ریاض الصالحین کے کتاب الصوم کی روایات کی روشنی میں سحری سراسر برکت کا عمل ہے جس میں رحمتِ الٰہی اور فرشتوں کی دعا، روزے کی جسمانی و روحانی تیاری اور اہلِ کتاب کے طریقے سے امتیاز شامل ہے، اس لیے ایک گھونٹ پانی پر بھی اسے ترک نہ کرنے کی تاکید آئی ہے۔ اسی طرح افطاری میں تعجیل خیر کا سبب ہے، اس وقت کی دعا قبولیت کی خوش خبری رکھتی ہے، روزہ دار کو افطار کی خوشی عبادت کی تکمیل کا مزہ دیتی ہے، اور دوسروں کو افطار کرانا دوہرے اجر کا ذریعہ ہے۔ طالب علم کے لیے ان فضائل کا مطالعہ رمضان و روزے کی عملی قدر بڑھا دیتا ہے اور اسے سنت کے چھوٹے چھوٹے آداب کی قیمت سمجھا دیتا ہے۔